

URDU (MB) B.A, Part-2
Paper- (Prose)
Topic: Maulana Azad ki Khutoot Nigari

Notes By:

Dr. Masroor Haidri,
Department of Urdu,
J.K College, Biraul, Darbhanga.

مولانا ابوالکلام آزاد بیسویں صدی کے ایک عظیم صحافی، سیاست دان اور نامور صاحب انشا پرداز گذرے ہیں۔ انہوں نے روایتی طور پر کسی مدرسہ کالج یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اپنے والدین اور اساتذہ کی تربیت اور ذاتی مطالعے سے ایسی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ اردو ادب کے ایک منفرد ادیب کہلائے۔ ان کی انشا پردازی کی جھلک ان کی تحریروں اور خاص طور سے ان کی مکتوب نگاری میں جھلکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسرت موہانی نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزانہ رہا

مولانا آزاد کا ایک اہم نثری کارنامہ ان کے مکاتیب پر مشتمل کتاب ”غبار خاطر“ ہے۔ غبار خاطر کہنے کو تو مولانا آزاد کے خطوط کا مجموعہ ہے لیکن اس کے طرز نگارش سے بعض لوگوں نے اسے مضامین کا دفتر کہا، کسی نے ان خطوط میں روزنامچہ کی خصوصیات تلاش کیں اور کسی نے اس میں خود کلامی یا خودنوشت نگاری کی خصوصیات پائیں۔ لیکن چونکہ خود صاحب تحریر مولانا آزاد نے انہیں خطوط قرار دیا تو یہ خط ہی کہلائیں گے۔ غبار خاطر کے خطوط میں پائی جانے والی انشا پردازی کی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خطوط کم اور انشائیے زیادہ ہیں۔ انشائیے کی تعریف میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ کسی بھی موضوع پر ہلکے پھلے انداز میں لکھی ہوئی تحریر انشائیے کہلائے گی جس میں مصنف کے جذبات اور اس کے اسلوب نگارش کی جھلک دکھائی دے۔ اس لحاظ سے

غبار خاطر کے خطوط اردو انشائیوں کے بہترین نمونے قرار پاتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے عظیم رہنما، الہلال اور البلاغ کے صحافی اور ایک جید عالم اور مقرر تھے۔ انگریزوں کو احساس تھا کہ ہندوستانیوں میں جدوجہد آزادی کی روح کو پروان چڑھانے میں مولانا آزاد جیسے رہنماؤں کا اہم کردار ہے تو انہوں نے اس وقت کے کئی سیاسی رہنماؤں اور صحافیوں کو جیل میں نظر بند کر دیا تھا۔ تاکہ جدوجہد آزادی کی تحریک کو کمزور کیا جائے کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد کو احمد نگر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ اسی جیل سے مولانا نے اپنے دوست کے نام مکتوبات لکھے۔ مولانا نے دل بہلانے کے لئے اپنے دوست کے نام یکطرفہ خطوط لکھنے شروع کئے۔ عمومی مکتوبات میں ایک دوسرے کے خیریت جانی جاتی ہے اور اپنے دور کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ چونکہ مولانا آزاد کو خط کے دوران اپنی فکر کو پیش کرنا تھا اس لئے وہ جیسے ہی کوئی خط شروع کرتے فوری کسی موضوع پر فکر انگریز گفتگو کرنے لگتے۔ مولانا آزاد نے حبیب الرحمن خان شیروانی کے نام پہلا خط 10 اگست 1942ء کو لکھا اور آخری خط 16 ستمبر 1943ء کو لکھا۔ اس کے بعد اپنی شریک حیات کے انتقال کے غم میں انہوں نے اس انداز کے خطوط لکھنے بند کر دیئے جس کا رنگ حبیب الرحمن خان شیروانی کے نام لکھے گئے خطوط میں ملتا ہے۔ بہر حال مولانا آزاد کی رہائی کے بعد ہی ان خطوط کی اشاعت کی راہ ہموار ہوئی۔ اور مولوی اجمل خان کی ایما پر ان خطوط کی جلد سے جلد کتابت اور اشاعت عمل میں آئی۔ مولوی اجمل خان کو مولانا سے خاص تعلق تھا اور انہوں نے مولانا سے اجازت لے لی تھی کہ ان کے مکتوبات کی نقول وہ رکھیں گے۔ جیل جانے سے قبل بھی وہ مولانا کے خطوط کو ڈاک میں ڈالنے سے قبل اس کی نقل تحریر کر لیتے تھے۔ چنانچہ مولانا آزاد کی جیل سے رہائی کے بعد بھی انہوں نے مولانا کے لکھے یہ خط حاصل کر لئے۔ مولوی اجمل خان کی عادت کے پیش نظر خود مولانا نے انہیں یہ خط حوالے کئے کہ حبیب الرحمن خان شیروانی مکتوب الیہ کو حوالے کرنے سے قبل یہ خطوط نقل کر لئے جائیں۔

ان خطوط میں مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کے نام لکھے گئے کل بیس خط ہیں۔ بیشتر خطوط میں صدیق مکرّم کہتے ہوئے مولانا آزاد نے مکتوب الیہ کو مخاطب کیا ہے۔ چونکہ مولانا آزاد کو معلوم تھا کہ یہ خطوط فوری مکتوب الیہ تک نہیں پہنچ پائیں گے اس لئے ان میں مضمون اور انشائیہ کا رنگ غالب آ گیا۔ مولانا چونکہ باہر کی زندگی سے کٹ گئے تھے اس لئے ان خطوط میں اس دور کے حالات کی جھلک بھی نہیں ملتی اور چونکہ خط کے جواب میں خط ملے تو موضوعات میں تنوع ہوتا ہے ایسا ان خطوط میں کچھ نہیں ہے۔ اور صرف مولانا آزاد کی انشا پر دازی ہی اپنا جوہر دکھاتی رہی۔ مولانا آزاد نے جب تمام خطوط دیکھے تو جیل سے رہائی کے بعد ان کی اشاعت کی فکر کی اور بہت جلد یہ خطوط اپنے انشا پر دازانہ رنگ کے سبب مقبول بھی ہو گئے۔

زندگی سے متعلق فلسفے کو مولانا نے اپنے مکاتیب میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس میں اپنی انشا پر دازی کے رنگ دکھائے ہیں۔

اپنے اسی مکتوب میں مولانا آزاد رقم طراز ہیں۔

”جن باتوں کو ہم زندگی کی راحتوں اور لذتوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہمارے لئے راحتیں اور لذتیں ہی کب رہیں گی اگر ان تقاضوں اور مقصدوں سے منہ موڑ لیں۔ بلاشبہ یہاں زندگی کا بوجھ اٹھانے کے کانٹوں کے فرش پر دوڑنا پڑا لیکن اس لئے دوڑنا پڑا کہ دنیا و مخرم کے فرش پر چل کر ان تقاضوں کا جواب دیا نہیں جاسکتا تھا۔ کانٹے کبھی دامن سے الجھیں گے۔ کبھی تلووں میں چھبیں گے لیکن مقصد کی خلش جو پہلوئے دل میں چبھتی رہے گی نہ دامن تارتار کی خبر لینے دے گی نہ زخمی تلووں کی۔ اور پھر زندگی کی جن حالتوں کو ہم راحت و الم سے تعبیر کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کیا ہوئی کہ اضافت کے کرشموں کی ایک صورت گری ہے۔ یہاں مطلق راحت ہے نہ مطلق الم۔ ہمارے تمام احساسات سرتاسر اضافی ہیں۔ اضافتیں بدلتے جاؤ راحت و الم کی نوعیتیں بھی بدلتی جائیں گی۔۔۔ راحت و الم کا احساس ہمیں باہر سے لا کر کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ خود ہمارا ہی احساس ہے جو کبھی زخم لگاتا ہے کبھی مرہم بن جاتا ہے۔ طلب و سعی کی زندگی بجائے خود زندگی کی سب سے بڑی لذت ہے۔ بشرطیکہ کسی مطلوب کی راہ میں ہو۔۔۔ زندگی بغیر کسی مقصد کے بسر نہیں کا جاسکتی کوئی لگاؤ کوئی بندھن ہونا چاہئے جس کی خاطر زندگی کے دن کاٹے جاسکیں۔۔۔ یکسانی اگرچہ سکون و راحت کی ہو یکسانی ہوئی۔ اور یکسانی بجائے خود زندگی کی سب سے بڑی بے نمکی ہے۔ تبدیلی اگرچہ سکون سے اضطراب کی ہو مگر پھر تبدیلی ہے۔ اور تبدیلی بجائے خود زندگی کی ایک بڑی لذت ہوئی۔ یہاں زندگی کا مزہ بھی ان ہی کو مل سکتا ہے جو اس کی شیرینوں کے ساتھ اس کی تلخیوں کے بھی گھونٹ لیتے رہتے ہیں اور اس طرح زندگی کا ذائقہ بدلتے رہتے ہیں۔ ورنہ وہ زندگی ہی کیا جو ایک ہی طرح کی صبحوں اور ایک ہی طرح کی شاموں میں بسر ہوتی ہے۔ یہاں پانے کا مزہ ان ہی کو مل سکتا ہے جو کھونا جانتے ہیں جنہوں نے کچھ کھویا ہی نہیں انہیں کیا معلوم کہ پانے کے معنی کیا ہوتے ہیں۔

غبارِ خاطر کے دیگر مکتوبات میں مولانا آزاد نے فطرت کے نظاروں سے اپنی دلچسپی، جیل میں پودوں کی کیاریوں کی دیکھ بھال، دنیا کے تاریخی واقعات، ہندوستان کی سیاست، مسلمانوں کے مسائل، صلیبی جنگوں کی تفصیلات اور دیگر واقعات پیش کئے ہیں۔ مولانا آزاد کی نثر کی یہ خوبی ہے کہ اس میں جا بجا اشعار کی مدد لی گئی ہے۔ عربی اور انگریزی کا استعمال کیا گیا ہے۔ شاعرانہ جملے اور فلسفیانہ خیالات بیان کئے گئے ہیں جس کی سبب مولانا آزاد کے یہ مکاتیب اردو انشائیوں کا رنگ اختیار کر گئے ہیں۔ اور آج بھی اردو کا عطر سمجھے جاتے ہیں۔

رشید احمد صدیقی نے ”غبارِ خاطر“ کے اسلوب نگارش کے بارے میں لکھا تھا کہ ”غبارِ خاطر“ کا اسلوب اردو میں نامعلوم مدت تک زندہ رہے گا۔ اکثر بے اختیار جی چاہنے لگ جاتا ہے، کاش اس اسلوب کے ساتھ مولانا کچھ دن اور جئے ہوتے، پھر ہمارے ادب میں کیسے کیسے نسرین و نستران اپنی بہار دکھاتے اور خود مولانا کے جذبہ تخیل کی کیسی کیسی کلیاں شگفتہ ہوتیں۔

نیاز فتح پوری نے مولانا کے نام ایک خط میں درست ہی لکھا تھا۔

”مولانا! آپ کا اسلوب بیان میں مجھ وداع جاں چاہتا ہے۔ اگر آپ کی زبان میں مجھے کوئی گالیاں بھی دے تو بل مم مزید کہتا رہوں گا۔“ (بحوالہ۔ وہاب اعجاز خان کا بلاگ)

مولانا آزاد کے اسلوب کے بارے میں مولوی اجمل خان لکھتے ہیں:

جس زمانے میں الہلال نکلتا تھا تو میں کبھی کبھی وہ خالص ادبی قسم کی چیزیں بھی لکھا کرتے تھے۔ ان تحریروں میں انہوں نے ایک ایسا مجتہدانہ اسلوب اختیار کیا تھا جس کی کوئی دوسری مثال لوگوں کے سامنے موجود نہ تھی اسلوب کے لئے اگر کوئی تعبیر اختیار کی جاسکتی ہے تو وہ صرف ”شعر منشور“ کی ہے یعنی وہ نثر میں شاعری کیا کرتے تھے۔ ان کی تحریر از سر تا پا شعر ہوتی تھی صرف ایک چیز اس میں نہیں ہوتی تھی یعنی وزن اور اس لئے اسے نظم کی جگہ نثر کہنا پڑتا تھا۔۔۔ قلعہ احمد نگر کے مکاتیب اکثر اسی طرز تحریر میں لکھے گئے ہیں انہوں نے نثر میں شاعری کی ہے اور جس مطلب کو ادا کیا ہے کہ جدت فکر نقش آرائی کر رہی ہے۔ اور وسعت تخیل رنگ و روغن بھر رہی ہے۔ (غبار خاطر۔ ص۔ ۴۱-۷۱)

غبار خاطر مولانا آزاد کے خطوط کا نہ صرف خوبصورت مجموعہ ہے بلکہ اردو ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ جس کے مطالعے سے ہندوستان کے ایک فرزند جلیل جنگ آزادی کے بہت بڑے مجاہد اور اردو ادب کے منفرد نثر نگار کی زندگی شخصیت ماحول فن و فکر سے سب سے زیادہ آگہی ہوتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر مولانا آزاد اردو ادب کو غبار خاطر کے علاوہ کچھ بھی نہ دیتے تو بھی اردو ادب میں ان کو نمایاں مقام ملتا۔

مجموعی طور پر مولانا آزاد کے غبار خاطر میں شامل مکاتیب اردو انشا پردازی کے شاہکار ہیں۔ معیاری ادب سے محروم اردو کی نئی نسل اس طرح کے طرز نگارش کے مطالعے سے محروم ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کے قدیم ادب لکھی باز یافت کی جائے اور اسے نئی نسل سے روشناس کیا جائے۔

